(غلام گردش)

صرف ایک ہزار سال پہلے!

اَل جاہز بصرہ میں پیدا ہوا تھا۔اس وقت بنوعباس کی حکومت تھی۔اَل جاہز کے والد اور دادا، سیاہ فام تھے اور علم سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ بنیادی پیشہ اونٹ چرانا تھا۔بچپن میں اَل جاہز بصرہ کے نزدیک آبی ذخیروں سے مچھلیاں پکڑتا تھا اور پھر گلیوں میں فروخت کر دیتا تھا۔ایک انتہائی غریبانہ زندگی۔اس بچے کے پاس جو وقت بچ جاتا تھا، بصرہ کی مرکزی مسجد میں علماء کی صحبت میں انکی باتیں سنتا رہتا تھا۔علماء سائنس، ادب، تحقیق ،قرآن اور حدیث پر ہر زاویے سے بحث کرتے تھے۔اَل جاہز کے پاس اتنا علم تو نہیں تھا کہ ان لوگوں کی فکری بحث میں حصہ لے سکے۔مگر وہ ہر بحث کے چیدہ چیدہ حصوں کو لکھ لیتا تھا۔تحقیق اور علم کی طرف بڑھتے ہوئے رجہان کو دیکھ کر والدہ نے ترغیب دی کہ باقاعدہ تعلیم حاصل کرنی شروع کردے۔ایسا ہی ہوا،اَل جاہز نے بہت تھوڑے عرصے میں فلسفہ،لسانیات،شاعری،ادب،قران وحدیث پر عبور حاصل کرلیا۔پچیس برس، بصرہ کے ہر اس صاحبِ علم کے پاس گیا، جہاں اسے معمولی سی بھی نئی بات سیکھنے کو مل سکتی تھی۔اس زمانے میں مسلمان علم کے داعی تھے۔یونانی کتب کا ترجمہ ہونا عروج پر تھا۔اَل جاہز نے یونانی کتابوں کے عربی ترجمے پڑھنے شروع کردیے۔ارسطو کی فکر نے اسکے ذہن پر خاص طور پر اثر ڈالا۔بہرحال اب ایک مچھلیاں فروخت کرنے والا،علم کی اس شاہراہ پر گامزن تھا، جو آج سے تقریباً ایک ہزار برس قبل،مسلمانوں کا وطیرہ تھا۔یورپ اس وقت کس حال میں تھا۔اسکا جواب حددرجہ آسان ہے۔اس وقت کے یورپ کا حال بالکل وہی تھا، جو آج کل مسلمان ممالک کا ہے۔ہر طرح کی علمی تحقیق اور نئی بات سوچنے پر مکمل پابندی تھی۔اس وقت کا مغرب، مدلل سوچ کا انتہائی مخالف تھا۔جیسے آج مسلمان ہیں۔آج فکری طور پر ہم لوگوں کی اکثریت ہر اس عمل سے ڈرتی ہے، جو زندگی کی نئی جہتیں دکھا سکتی ہے۔جو خوف اس وقت مغربی دنیا کی بدحالی کا باعث تھا،آج مسلمان دنیا کی رگ رگ میں سما چکا ہے۔

بغداد میں اَل مامون کی حکومت تھی۔خلیفہ بذاتِ خود علم کی بے پناہ ترویج کا خواہشمند تھا۔پوری دنیا سے علماء،محققین،سائنسدان،اہل فکر،بغداد میں دربار سے منسلک ہونا اعزاز سمجھتے تھے۔خلیفہ بذاتِ خود یونانی کتابوں کے ترجمے کرنے میں مصروف کار رہتا تھا۔یہ وہی ماحول تھا، جو آج امریکہ، برطانیہ اور دیگر مغربی دنیا میں کافی حد تک موجود ہے۔بغداد میں دنیا کی سب سے بڑی لائبریری،''بیت الحکمت'' موجود تھی۔اَل جاہز اس لائبریری سے منسلک ہوگیا۔اپنی ذہانت کی وجہ سے، وہ تھوڑی دیر میں خلیفہ کی نظر میں آ گیا۔اَل مامون نے اسکی حددرجہ تکریم شروع کردی۔اس وقت تک اَل جاہز اَن گنت کتابیں لکھ چکا تھا۔تقریباً ہر مضمون پر دسترس رکھتا تھا۔خلیفہ،اسکی کتابوں کا حددرجہ دلدادہ تھا۔بھرپور تعریف کرتا تھا۔ایک دن خلیفہ نے اَل جاہز کو دربار میں بلایا اور اپنے بچوں کا اطالیق مقرر کردیا۔جب یہ عالم، دربار سے نکل کر محل میں پہنچا، بچوں کو بلایا تو بچے اسکے بڑے بڑے کان اور انتہائی چمکدار آنکھوں سے خوف زدہ ہوکر بھاگ گئے۔خلیفہ کو جب بچوں کی اس کیفیت کا بتایا گیا،تو وہ بہت ہنسا۔بہرحال،خلیفہ کی خواہش کے باوجود،اَل جاہز شاہی خاندان کے بچوں کو پڑھا نہ پایا۔اَل مامون کے بعد کا بغداد مختلف ہوگیا۔اَل جاہز، واپس اپنے آبائی شہر بصرہ میں آ گیا۔روایت ہے کہ ایک دن وہ

اپنی لائبریری میں بیٹھا تھا کہ کتابوں کی پوری دیوار اس پر آن گری۔ وہ حد درجہ زخمی ہو گیا اور اسی کیفیت میں دم توڑ گیا۔ یہ 868 کا زمانہ تھا۔ اپنی زندگی میں اَل جاہز نے سو سے زیادہ تحقیقی کتابیں لکھیں۔ جو سائنسی اُصولوں پر مبنی تھیں۔ کئی ایسے نئے بنیادی اصول تھے، جو اَل جاہز نے ترتیب دیے تھے۔

آپ حیران ہونگے کہ Evolution کا بنیادی فلسفہ اَل جاہز کا تھا۔ اسکی کتاب، کتاب اَل حیوان میں یہ درج ہے کہ کس طرح جانور اور کیڑے مکوڑے اپنے آپکو ہمہ وقت تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ مگر آج Theory of Evolution صرف اور صرف چارلس ڈارون سے منسوب کی جاتی ہے۔ اَل جاہز کا دور دور تک کوئی ذکر نہیں ہے۔ کتاب اَل حیوان کوئی معمولی تحقیق نہیں تھی۔ اسکے سات حصے تھے اور اس میں تین سو پچاس حیوانی نسلوں پر بحث کی گئی تھی۔ اسکے علاوہ، اَل جاہز کی اور بھی اَن گنت کتابیں ہیں۔ جس میں کتاب اَل بخل، کتاب اَلبیان ابھی موجود ہیں۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہزار برس پہلے، مسلمان معاشرے علم دوست تھے۔ آپکے لیے، شائد یہ بھی باعثِ حیرانی ہو، کہ دنیا کی پہلی باقاعدہ یونیورسٹی، مغرب میں نہیں تھی۔ یہ ایک مسلمان خاتون نے دس صدیاں پہلے، آج کے تیونسیا میں قائم کی تھی۔ اس عظیم خاتون کا نام فاطمہ اَل فخری تھا۔ والد سے جو دولت اسکے حصہ میں آئی، اس سے فاطمہ نے پورے اٹھارہ برس، بذاتِ خود کھڑے ہو کر ایک عظیم مسجد اور درسگاہ بنوائی۔ اسکا نام، آبائی گاؤں کی نسبت سے اَل کارے ون (Al-Qarrawyn) رکھا گیا۔ یہ پوری دنیا کی پہلی باقاعدہ یونیورسٹی تھی۔ اس میں فلسفہ، مذہب، طب اور سائنسی علوم پڑھائے جاتے تھے۔ اسکے بعد، طالبعلموں کو ڈگری بھی دی جاتی تھی۔ اس زمانے میں تعلیم مکمل ہونے پر ڈگری دینے کا کوئی رواج نہیں تھا۔ مگر فاطمہ نامی اس علم دوست خاتون نے پوری دنیا کو ایک نئی روایت سے آشنا کیا۔ جو آج تک جاری ہے۔ وہ اسکی تعمیر کی براہِ راست نگرانی کرتی تھی۔ عظم اور ہمت کا اندازہ لگایئے کہ اپنے ذاتی ذرائع سے، یعنی اپنی دولت سے دنیا کو پہلی یونیورسٹی دی۔ یہ وہ مسلمان معاشرہ تھا جسکا ذکر اب صرف اور صرف کتابوں میں ملتا ہے۔ بہر حال ہر کتاب میں بھی نہیں ملتا۔ ان واقعات کو باقاعدہ ہماری نظروں سے اوجھل رکھا جاتا ہے۔

اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ مسلمان سائنسدان، اساتذہ اپنے اپنے معاشروں کے سب سے قابل عزت طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ مسلمان بادشاہوں کے اندر جنگ وجدل اور اقتدار کو برقرار رکھنے کے جذبے تو موجود تھے۔ مگر انکی اکثریت، اہل علم کو اپنے قریب رکھتے تھے۔ تمام مسلمان سائنسدانوں اور محققین کا ذکر تو اس کالم میں نہیں کرسکتا۔ مگر مجبور ہوں کہ اسماعیل اَل جزاری (Al-Jazzari) کا ذکر ضرور کروں۔ یہ اپنے دور کا ایک حیرت انگیز دماغ تھا جو نئی مشینیں بنانے کا شوق رکھتا تھا۔ 1136ء میں پیدا ہونے والا اس جینئس کا نام کہیں بھی نہیں سنا ہوگا۔ اَل جزاری نے 1206 میں کرینک شافٹ (Crank Shaft) بنایا۔ اس میں توازن کیلئے اس نے ایسے پہیے لگائے، جو بالکل متوازن تھے۔ اس شافٹ سے اَل جزاری نے پانی کو مشین کے ذریعے نکالنے کیلئے استعمال کیا۔ یہ مشین مکمل طور پر آٹومیٹک تھی اور اسے چلانے کیلئے انسان کی ضرورت نہیں تھی۔ اس عظیم دماغ نے ہائڈرو پاور کے ذریعے چلنے والی مشین ایجاد کی جو دریا یا جھیل کے پانی کو پائپوں کے ذریعے آبادی تک پہنچاتی تھی۔ آپ ششدر رہ جائینگے کہ "فلش"، یعنی پانی کے ذریعے

فضلہ کی نکاسی کا پہلا کامیاب تجربہ بھی اسی شخص نے کیا۔اس نے ہاتھ دھونے کیلئے ایک بیسن بنایا۔جب وہ پانی سے بھر جاتا تھا تو ایک لیور کے ذریعے اسے خالی کر دیا جاتا تھا۔اس عظیم دماغ نے دنیا میں پہلا آٹومیٹک دروازہ بنایا۔یہ لوہے کا دروازہ تھا اور ایک مشین کے ذریعے،اس میں چار بولٹ،تالے لگ جاتے تھے۔ماضی کے یہ مسلمان مرد اور عورتیں حیران کن حد تک علم دوست اور زمانہ شناس تھے۔ذرخیز ترین ذہنوں کے مالک ان لوگوں نے دنیا بدل کر رکھ دی۔مگر یہ سارے سات آٹھ سو سال پہلے ختم ہو گئے۔

اسکے برعکس،توجہ آج کے مسلمان ممالک اور انکے اندر فکری جمود کی طرف دلواتا ہوں۔پہلی بات تو یہ،کہ مسلمانوں کی اکثریت سائنس اور دیگر سنجیدہ علوم سے فاصلے پر کھڑی نظر آتی ہے۔یہ معاشرے اس حد تک علم،دشمن ہیں کہ ہر نئی سوچ اور فکر کی شدت سے مزاحمت کرتے ہیں۔شدید کوشش کر کے،اپنے اپنے معاشروں سے تحقیقی سوچ کو مارنے کی کوشش کرتے ہیں۔یہ حد درجہ کامیاب بھی ہیں۔اپنے ملک کی مثال دینا چاہتا ہوں۔ہم لوگ اس جدید ترین دور میں بھی جاہلیت کا اعلیٰ نمونہ بن چکے ہیں۔علم تو دور کی بات،ہماری ساری زندگی تو جزئیات پر بحث کرنے میں گزر جاتی ہے۔حیرانگی ہے کہ ہم نے تقلید اور علامتی مذہب پر ساری طاقت اور مرکزیت صَرف کر دی ہے۔مذہب کے انقلابی پہلو،سے کنی کتراتے ہیں۔عجیب وغریب روایات اور توہمات نے ذہنوں کو جکڑ کر رکھ دیا ہے۔ہم اس قدر خوف زدہ لوگ ہیں کہ ہر نئی فکر کو اپنے لیے دھمکی سمجھتے ہیں۔تجربہ کر کے دیکھ لیجئے۔کوئی جدید نظریہ کی بات کریں۔لوگ آپ پر دلائل کا انبار لیکر پل پڑینگے۔آپ یا تو خاموش کر دیے جائینگے یا ملک چھوڑنے پر مجبور ہو جائینگے۔

میں میڈیکل کالج کے ایک واٹس ایپ گروپ کا رکن ہوں۔اس میں پوری دنیا کے ڈاکٹر شامل ہیں۔یہ میرے ہم جماعت ہیں۔امریکہ سے لیکر سعودی عرب اور پاکستان سے لیکر لندن تک موجود ہیں۔اس گروپ میں سائنس اور تحقیق پر بہت کم میسج دیکھے ہیں۔یہ پڑھے لکھے لوگوں کا گروپ ہے۔انکے عمومی موضوعات ہیں کہ دجال کب اور کیسے آئیگا۔قیامت کی کون کون سے نشانیاں ظہور ہو چکی ہیں اور کون سی نہیں۔فروعی مسائل ہر وقت زیرِ بحث رہتے ہیں۔ڈاکٹروں کا ذکر کر رہا ہوں۔سب کچھ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے۔آج یہ ہماری علمیت کا معیار ہے کہ ہم یاجوج ماجوج کی ساخت پر بحث کریں۔ہوسکتا ہے کہ یہ بھی اہم ہوں۔مگر مجھے تو مسلمان بحیثیت کل،حد درجہ علم دشمن نظر آتے ہیں۔یہ ایک مقلد معاشرہ ہے۔جہاں پیر کو کھڑاؤں سمیت ہوا میں اُڑایا جاتا ہے۔علم،سائنس،تحقیق اور فکر تو ہمارے پاس سے نہیں گزری!مگر ہم ہرگز ہرگز شرمندہ نہیں ہیں۔بلکہ اب اپنے رویے پر فخر کرتے ہیں۔دس صدیوں پہلے کی علمی روایات کم از کم ہمارے معاشرے میں تو دم توڑ چکی ہیں۔

راؤ منظر حیات